محمد جعفر شاہ پھلواروی

ایک مجتہد عصر کی یاد

پٹنہ عظیم آباد میں ایک محلہ ہے جس کا نام منگل تالاب ہے یہاں ایک بہت قدیم خانقاہ ہے جسے خانقاہ عمادیہ کہتے ہیں۔ آج تک یہاں ہر صاحب سجادہ اہل علم و فضل ہوتا آیا ہے۔ ان میں ایک قابل ذکر بزرگ مولانا شاہ ظہور الحق قدس سرہٗ گذرے ہیں۔ ان کی وفات ۱۲۳۳ھ میں ہوئی ہے۔ ان کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جن کا اگر ذکر کیا جائے تو لوگ شاید اسے افسانہ سمجھیں گے۔ ان کے شغف قرآن کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک سال رمضان میں ختم تراویح کے لئے کوئی حافظ نہ مل سکا تو انہوں نے خود ہی قرآن سنانے کا ارادہ فرمالیا۔ ہر روز ایک پارہ یاد کر لیتے اور تراویح میں سنا دیتے۔ اس طرح ایک ماہ میں یہ حافظ ہوگئے۔ یہ تو قرآنی شغف کا ذکر ہے۔ اور ایک ایسے شخص کے لئے جو قوی الحافظہ اور ذہین ہو اور تلاوت کا عادی بھی۔ ایک ماہ میں قرآن حفظ کر لینا کوئی بعید از فہم بات نہیں۔ لیکن ان کے حافظہ کی قوت سے متعلق ایک چیز ایسی بھی ہے جس کو کوئی مشکل ہی سے یقین کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم مع الاسانید کے بھی حافظ تھے یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو حاصل ہوا ہو۔ اپنی ساری عمر درس و تدریس میں گذاری اور ان کے پاس طلباء و علماء کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ ان کو مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی اجازۂ حدیث تھا۔ علاوہ ازیں یہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کی ایک کتاب تسہیل الفلاسفہ ہے یہ کتاب مولانا شبلی نعمانی نے بھی دیکھی تھی اور بڑی تعریف کی تھی۔ یہ قلمی نسخہ کوئی پندرہ سال ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی کے ہاتھ لگا اور ان سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے حیدر آباد سے طبع کرانے کے لئے لے لیا۔ اس کے بعد اس کا کیا حشر ہوا معلوم نہیں سنا ہے کہ وہ ضائع ہوگیا۔ اس کے نصف حصے کی نقل مولانا محی الدین صاحب تمنا عمادی کے پاس ڈھاکہ میں موجود ہے۔ ان کی دوسری تصنیفیں بھی مختلف فنون میں ہیں مثلاً اعیان (رد منطق) فیض کبیر، فیض صغیر، نہی عن المنکر، اثبات ایجاد الخیر، کسب النبیؐ، امامر ولہاہی، مادہ ایمان، مجمع المآتم، فیوضات الہامیہ، نصح النصیح، تائید الحق (رد تشیع) وغیرہ۔ لیکن ان کے طبع ہونے کا مجھے کوئی علم نہیں ان تصانیف میں ایک کتاب خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اس کا نام ہے "تنویرات" اس کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں موجود ہے۔ ۵۴ء میں مجھے اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتاب تصوف میں ہے۔ اس کے بعض مضامین نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر بعض مفکرین کا یہ جملہ یاد آگیا کہ ... "بعض لوگ غلط زمانے یا غلط جگہ یا غلط قوم میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں" بعض انسان ایسے بھی ہو گئے ہیں جو اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود اپنے قدر میں بلکہ مرنے کے بعد بھی ایک عرصۂ دراز تک کوئی عالمگیر شہرت یا مقبولیت حاصل نہیں کر سکے۔ مولانا شاہ ظہور الحق رح کا شمار بھی ایسے ہی بدقسمت گزروں میں ہے۔ عالمگیر مقبولیت و شہرت

کے لئے خوش حال ہونا اور باہر کی دنیا میں آکر دنیات سے دلچسپی لینا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ گوشہ نشینی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بہرکیف حضرت موصوف ایک جامد زمان و مکان میں پیدا ہونے کے باوجود کتنے وسیع الخیال معنی فراز اور ترقی پسند تھے اس کا اندازہ "تفہیمات" کے ایک باب سے کیجئے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور باب یا فصل کی بجائے "تفہیم" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہر تفہیم گویا ایک جداگانہ باب یا فصل ہے۔ ہم اس وقت اس کی صرف ایک تفہیم مع ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

تفہیم۔ نماز و تلاوت و دعا در دیار ما فعلے عبث شدہ است کہ بسیار مردمان زبان عربی نمی فہمند و اکثر اگر می فہمند از نافہمان بدتر اند۔ گمان مے بندند کہ ایں حرکات فرض ست و فرض را ساقط کنم بلکہ نوافل دیگر بر آں مزید کنم و حال آنکہ نہ آں فرض ست و نہ ایں نفل بلکہ لغو و لہو ست۔ فرض و نفل؛ بندگی بایں طور ست کہ در بندگی اول اول دل حاضر باید، و ایں ہم نیست کہ فقط توجہ الی اللہ کردہ نماز گزارد نماز شود، بلکہ معنی حضور دل ایں ست کہ بہر قیام و بہر رکوع و بہر سجود و بہر قعود خشوع و خضوع ادا دہ دارد، و در تسبیح ملاحظہ پاکی حق کند و بہر تحمید جمعیت صفات کمال و بہر تہلیل وحدانیت در الوہیت و بہر تکبیر کبریائی او قصد کنند و بہر دعا حاجت خواستن مرکوز دارد و بہر قرأت معنی فہمیدن و عبرت گرفتن منظور کنند۔ چہ کنم اگر گفتہ مرا خلق پذیرفتے گفتمے کہ عوام در نماز تسبیح و تہلیل و دعا و تکبیر و تحمید و درود و تحیۃ ہر چہ کنند بزبان ہندی کنند۔ بلکہ بہ مذہب امام اعظم از عالمے ترجمہ سورۃ فاتحہ و بعضے از سور قرآنیہ کنانیدہ قرأت ہم بزبان ہندی کنند، و بعد از تمام نماز ہم ہر دعا و استغفار و درود کہ خوانند بزبان ہندی خوانند، و در نماز کمال تعدیل ارکان کنند۔ الغرض دو رکعت نماز اگر بخوبی میسر بیاید از ہزار رکعت زیادہ است کہ آں دو موجب اجر است و ایں ہزار مستوجب زجر ـــ (تفہیمات صفحہ ۶۲)

ترجمہ: ہمارے ملک میں نماز، تلاوت اور دعا ایک بے کار سا کام ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لئے کہ بیشتر لوگ عربی نہیں سمجھتے اور جو سمجھتے ہیں وہ نہ سمجھنے والوں سے بھی بدتر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حرکتیں فرض ہیں جن کو ہم پورا کر کے فرض ادا کر لیتے ہیں بلکہ دوسرے نوافل کا بھی اس پر اضافہ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ فرض ہے اور نہ یہ نفل۔ بلکہ محض لغو کھیل ہے۔ فرض و نفل اور بندگی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دل حاضر ہو۔ یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز ادا کر لی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ ایسا نہیں۔ بلکہ دل حاضر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قیام، ہر رکوع ہر سجدہ اور ہر قعود پورا پورا طور پر خشوع و خضوع ہو۔ ہر تسبیح میں خداوند کی پاکیزگی ملحوظ ہو، حمد کرتے ہوئے خدا کی صفات کمال کو مجموعی طور پر اور بوقت تہلیل الوہیت کی یکتائی کو اور تکبیر کے وقت کبریائی کو پیش نظر رکھے۔ ہر دعا میں درخواست پیش کرنے کا مقصد سامنے رکھے اور ہر قرأت کرتے ہوئے معانی کو سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ رہے ـــ میں کیا کروں اگر لوگ میری بات مان لیتے تو میں یہ کہتا کہ عوام نماز میں جو کچھ بھی تسبیح تہلیل، دعا، تکبیر، تحمید، درود، تحیت وغیرہ کریں وہ اپنی ہندوستانی زبان[1] میں کریں بلکہ امام اعظم کے مسلک کے مطابق کسی عالم سے سورۃ فاتحہ اور بعض دوسری

---

[1] اس وقت کی اردو زبان جو عام طور پر رائج تھی ہندی کہی جاتی تھی۔

سورتوں کا ترجمہ کرا کے قرأت بھی ہندوستانی ہی زبان میں کریں اور نماز کے بعد جو دُعا، استغفار اور درود وغیرہ پڑھتے ہیں وہ بھی ہندوستانی زبان میں پڑھیں۔ اور نماز میں پوری پوری تعدیل ارکان ادا کریں۔ غرض یہ ہے کہ اگر دو رکعت نماز عمدگی سے میسّر آئے تو وہ دوسری ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے کیونکہ یہ دو رکعت باعثِ اجر ہے اور وہ ہزار رکعت مستحقِ سزا ہے۔

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد ہر شخص کو خیال پیدا ہوگا کہ آتنا بڑا علّامۂ روزگار —— جو صرف عالم ہی نہیں بلکہ ایک اجل صوفی ایک خانقاہ کا صاحبِ سجادہ اور بے شمار علماء کا استاد ہے اور ساتھ ہی صحیحین کا حافظ ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سندِ حدیث رکھتا ہے —— کیسی بات کہہ رہا ہے۔ اپنی مادری زبان میں نماز ادا کرنا؟ پھر امام اعظمؒ کا حوالہ بھی دے رہا ہے۔ کیا یہ باتیں کچھ سند بھی رکھتی ہیں؟ اور کیا موجودہ دور میں یہ باتیں قابلِ اعتنا بھی ہیں؟

جہاں تک امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کا تعلق ہے ہمیں اس کے متعلق یہ معلومات ملتی ہیں کہ:

وجوّز الامام ابوحنیفۃ الصلوٰۃ بالفارسیۃ وبغیرھا مطلقاً وقال صاحباہ ابویوسف ومحمد ان ذلک لا یجوز الا لمن لا یحسن العربیۃ، وقیل ان اباحنیفۃ رجع عن قولہ وقید الجواز بعدم القدرۃ علی فہم العربیۃ کما فعل صاحباہ (فلسفۃ التشریع طبع ثانی صفحہ ۱۰۷-۱۰۸)

امام ابوحنیفہ فارسی وغیر فارسی ہر زبان میں نماز کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور صاحبین یعنی ابویوسف و محمد کہتے ہیں کہ یہ صرف اسی کے لئے جائز ہے جو عربی زبان کو اچھی طرح ادا نہ کر سکتا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے قول سے رجوع کر کے صاحبین کا مسلک اختیار کر لیا تھا یعنی عجمی زبان میں نماز کو اس کے لئے جائز کہتے ہیں جو عربی زبان سمجھنے پر قادر نہ ہو یا امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور محمد تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص عربی الفاظ عمدگی سے نہ ادا کر سکتا ہو یا عربی زبان سمجھنے پر قادر نہ ہو تو وہ اپنی مادری زبان میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں شمس الائمہ امام سرخسی کی مبسوطؔ میں یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ:۔

ان الفرس کتبوا الی سلمان (الفارسی) ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ فکانوا یقرءون ذلک فی الصلوٰۃ (مبسوط جلد اول صفحہ ۳۷)

اہلِ فارس نے سلمان فارسی کو لکھ بھیجا کہ سورۃ فاتحہ کا فارسی ترجمہ لکھ کر بھیج دیجئے۔ چنانچہ وہ لوگ یہی ترجمہ نماز میں پڑھا کرتے تھے۔

پھر اس عبارت کے آگے علامہ شرنبلالی کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ:۔

وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر علیھم فالکلام رسالۃ النفحۃ القدسیۃ فی احکام قرأۃ القرآن وکتابتہ بالفارسیۃ مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ صفحہ ۱۵)

اور حضور اکرمؐ نے اس بات (یعنی نماز میں بزبان فارسی سورہ فاتحہ پڑھنے) پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔

ہمیں مبسوط اور تحفہ قدسیہ کی روایت کی صحت پر بعض وجوہ سے پورا یقین نہیں لیکن اسے نظر انداز کر دینے کے بعد بھی اتنا بھر اپنی جگہ صحیح ہے کہ امام اعظم اور امام محمد و امام ابو یوسف کے نزدیک مادری زبان میں نماز اس کے لئے جائز ہے جو عربی الفاظ کو عمدگی سے ادا نہ کر سکتا ہو یا عربی سمجھنے پر قادر نہ ہو اور امام اعظم کا پہلا مسلک تو یہ تھا کہ عربی الفاظ عمدگی سے ادا کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو ہر حال میں مطلقاً مادری زبان میں نماز جائز ہے۔ لیکن بعد میں —— غالباً عموم بلویٰ کے پیش نظر —— آپ نے اس فتوے سے رجوع کر لیا۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ امام اعظم کے رجوع کرنے سے ان کے اپنے مسلک میں کون سا فرق پیدا ہو گیا؟ ہمارے نزدیک دونوں مسلکوں میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوا اس لئے کہ جس کی زبان عربی ہو یا جو عربی سمجھتا ہو اور اسے عمدگی سے ادا بھی کر سکتا ہو اسے ضرورت ہی کیا ہے جو عجمی زبان میں نماز ادا کرے؟ اس صورت میں تو وہ گویا اپنی مادری زبان میں نماز ادا کرے گا۔ یہ سوال تو صرف ان عجمیوں کے لئے ہے جن کی نہ مادری زبان عربی ہے نہ وہ اسے عمدگی سے ادا کر سکتے یا سمجھتے ہیں۔ ضرورت تو انہی کو پڑتی ہے۔ ہاں ان اہل عجم میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ قاری و مجوّد جو عربی الفاظ خود عربوں سے بھی بہتر ادا کرتے ہیں۔ مگر عربی سمجھتے نہیں۔ دوسرے وہ جو عربی کے عالم ہیں مگر صحت لفظی میں کورے۔ اور تیسری قسم کے بہت کم لوگ ہیں جو دونوں کے جامع ہوں۔ پہلی قسم کے لوگ اگر امام اعظم اور صاحبین ہی کے مسلک پر عمل کریں تو اچھا ہے۔ دوسری قسم کے لوگوں کے متعلق ہماری رائے اس کے مطابق نہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگوں کے متعلق اس فتوے سے جواز سے فائدہ اٹھانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

مولانا شاہ ظہور الحق قدس سرہٗ بھی جو رائے دیتے ہیں وہ "عوام" ہی کے لئے ہے اگرچہ وہ بہت سے عربی دانوں کو بھی غیر عربی دان عوام سے بدتر تصور کرتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد زبان یا الفاظ کا جھگڑا نہیں بلکہ معنویت کی بقا ہے یعنی نماز صرف چند کلمات و حرکات کو ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ عبودیت کی ایک خاص روح اور اسپرٹ ہے جسے اپنانے کا نام نماز ہے اور حرکات و کلمات اسی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا بہتر تو یہی ہے کہ صورت اور معنی دونوں کو یکجا کیا جائے۔ لیکن جہاں دونوں کا اجتماع مشکل ہو جائے وہاں روح و معنی کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ یہی ایک اصول ہے جسے سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طبقے کے لئے کس امام کا فتویٰ زیادہ مناسب ہے۔

خدا ہر زبان سمجھتا ہے۔ سوال صرف بندے کا ہے کہ وہ کس زبان میں اپنی معروضات پیش کرے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مقصد اپنی مادری زبان میں باحسن وجوہ پورا ہو سکتا ہے لیکن اس کا ایک پہلو بڑا قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ مادری زبان میں نماز ادا کرنے کی اجازت کا یہ مطلب نہ ہونا چاہیئے کہ یہ ایک مستقل اجازت ہے۔ اسے بہرحال ایک عبوری دور کی چیز قرار دینا چاہیئے۔ یعنی سردست ایک عجمی اپنی مادری زبان میں نماز ادا کرے لیکن عربی زبان حاصل کرنے کی لگاتار کوشش کرتا رہے تاآنکہ وہ عربی زبان پر بھی مادری زبان کی سی قدرت حاصل کر لے۔ کم از کم اتنا ضرور ہو کہ قرآن کی زبان اور کلمات نماز کو وہ مادری زبان کی طرح

ثقافت

اما کر سکے، سمجھ سکے اور اس کی روح کو اپنا سکے۔ یہ کوشش اس کا ایک مسلسل جہاد ہوگی خواہ جتنی دیر بھی ہو وہ کامیابی حاصل کر سکے،

عربی زبان اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک سرکاری زبان ہے اور ثقافتی حیثیت سے کرۂ ارض کے تمام مسلمانوں کے درمیان ربط و قرب پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ مضبوط کوئی دوسری کڑی نہیں اہل اسلام کا آخری مرجع و مآب کتاب اللہ ہے۔ اگر اس کی زبان سے بالکل ہی قطع نظر کر لیا جائے تو روح قرآن کو اپنانے کے باوجود اہل اسلام میں مطلوبہ رابطہ نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ ہر ملک کے مسلمان ایک جداگانہ قوم ہو کر رہ جائیں گے جیسا کہ آج نظر آ رہا ہے۔ یوں تو اتحاد قومی کے لئے رنگ، نسل، پیشہ، وطن وغیرہ سب ہی عنصر بن جاتے ہیں لیکن لسانی اتحاد سے بڑھ کر کوئی دوسرا عنصر نہیں ہوتا۔ لہٰذا دنیا بھر کے اتحاد اسلامی کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی ایک مشترک بین الاقوامی زبان بھی ہو اور وہ ظاہر ہے کہ قرآنی زبان (عربی) ہی ہو سکتی ہے۔

چند سال ہوتے پاکستان میں اردو، انگریزی اور بنگلہ کے جھگڑے چل رہے تھے تو سر آغا خان نے کہا تھا کہ یہاں کی بین الاقوامی زبان عربی ہونی چاہیئے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے سر آغا خان کا مذاق اڑایا تھا لیکن میں ان کے اس بیان سے بہت پہلے سے اسی خیال کا حامی ہوں۔ مسلمان جب تک ایک فعال جماعت کی شکل میں رہے اور امامت اقوام کی زمام ان کے ہاتھ میں رہی۔ انہوں نے اس کا خیال رکھا۔ جہاں گئے وہاں کی زبان خود بخود کسی دباؤ کے بغیر بدل گئی یا اس میں غالب عنصر عربی زبان کا از خود داخل ہو گیا۔ مصر کی پوری آبادی کی زبان عربی ہو گئی، ایسی عربی کہ اب وہ خود عربوں سے بھی بہت آگے ہیں۔ سندھی زبان میں آدھے سے زیادہ الفاظ عربی کے ہیں۔ اسپین میں بھی بے شمار عربی الفاظ داخل ہو کر رہے۔ افریقہ کے حبشیوں میں بھی عربی الفاظ نے اپنے گہرے نقوش پیدا کر لئے۔ غرض مسلمان جہاں گئے وہاں کے باشندوں کو لسانی حیثیت سے قرآنی زبان سے قریب کر دیا۔ قرآن جس طرح کی اُمت وسط (یا عالمگیر ملت) پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ان کی ایک لنگوا فرینکا اور بین الاقوامی زبان ہو جو ہر لحاظ سے عربی ہی ہو سکتی ہے۔ اگر کسی قوم کا کلچر ختم کرنا ہو تو سب سے پہلے اس کی زبان ختم کی جاتی ہے۔ یعنی جس ثقافت کو خدا کے بندوں کے لئے رحمت بننا ہو ــــ اور وہ اسلامی ہی کلچر ہو سکتا ہے ــــ اس ثقافت کی زبان کو بہر حال رائج کرنا چاہیئے۔

ہاں اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی ملک کی زبان کی ترقیوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ جو زبان سنسکرت وغیرہ کی طرح خود مردہ ہو جائے اسے زندہ کرنے کی ضرورت نہیں اور جو زبان اردو کی طرح ترقی کر رہی ہو اسے مٹانے کی حاجت نہیں۔ ہر ملک و قوم کی اپنی زبان بے شک زندہ رہے اور رہنا چاہیئے کیونکہ اسے "آیات" کہا گیا ہے ان فی خلق السموات والارض اختلاف اللیل والنہار و اختلاف السنتکم والوانکم لآیات للعالمین (شب و روز کے اختلاف میں اور تمہاری زبان اور رنگ کے اختلاف میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں) پس عربی زبان کو رائج کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری زبانوں کو فنا کر دیا جائے۔ یہ اختلاف السنہ تو رہے گا اور رہنا چاہیئے لیکن دوسری تمام زبانوں کے ساتھ ساتھ اہل اسلام کی ایک مشترک اور اسلامی بین الاقوامی زبان بھی بڑی ضروری ہے۔ اس کے دو بڑے فائدے ہیں۔ ایک قرآن سے قرب اور دوسرے اہل اسلام کا باہمی رابطہ

یہ دونوں ایسے مقاصد ہیں کہ ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ۔ روئے زمین کے مسلمانوں کا یہ ایک اہم فریضہ ہے اور اس کوشش سے بے پروائی برتنا کوئی قابل معافی غلطی نہیں ۔ کامیابی جتنی ہو، جب ہو، جہاں ہو اس سے بحث نہیں لیکن اہل اسلام جہاں بھی ہوں انہیں اس کی لگاتار سعی و تبلیغ کرتے رہنا چاہیئے ۔ بلاشبہ یہ کام بڑے جان جوکھوں کا ہے لیکن بہرحال اس آئیڈیل کو سامنے رکھنا ہی چاہیئے ۔ غرض امام اعظم رح اور صاحبین رح اور زیر بحث مولانا ظہور الحق رح کی عبارتوں کا ہم یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ مادری زبان میں نماز ادا کرنے کی اجازت ایک عبوری اجازت ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربی زبان سے اتنی بے نیازی کی اجازت دے دی گئی ہے ۔

مملکت پاکستان یا دوسرے عجمی ممالک میں عربی زبان کو رائج کرنے کا مسئلہ جتنا ضروری اور اہم ہے اسی قدر پیچیدہ و دشوار بھی ہے لیکن اس دشواری کی بڑی ذمہ داری ہمارے عربی مدارس کے طریقۂ تعلیم پر عائد ہوتی ہے ۔ کوئی زبان سیکھنے میں صرفی و نحوی قواعد مدد تو ضرور پہنچاتے ہیں لیکن محض انہی قواعد کے سہارے زبان نہیں آیا کرتی ۔ زبان سیکھنے کا فطری طریقہ یہ ہے کہ متعلم کو بچپنے سے ایسے ماحول میں رکھا جائے جہاں ہر طرف سے اس کے کانوں میں اسی زبان کی آوازیں بار بار آتی رہیں ۔ آپ ایک ایسا بورڈنگ بنائیے جہاں منتظمین اور متعلقہ ملازمین سب صحیح عربی ہی میں گفتگو کریں تو ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چار چھ سال کا بچہ دو سال بعد فارغ التحصیل مولوی سے بہتر اور رواں عربی بولنے اور سمجھنے لگے گا ۔ اس کے بعد آپ اسے کتابی تعلیم دیتے رہیئے اور صرف و نحو کا ماہر بھی بناتے رہیئے ۔

کوئی بچہ شکم مادر یا صلب پدر سے کوئی خاص زبان سیکھا سکھایا نہیں پیدا ہوتا ۔ وہ فطری طور پر وہی زبان سیکھ لیتا ہے جس زبان کے ماحول میں اس کی پرورش ہوتی ہے ۔

علاوہ ازیں کلمات نماز کا معاملہ تو نسبتہً اور بھی آسان ہے ۔ اس کے بیشتر الفاظ کا استعمال ہماری زبان میں بکثرت موجود ہے مثلاً اللہ اکبر، الحمد للہ ۔ بسم اللہ ۔ اعوذ باللہ ۔ رب العالمین، رحمٰن، رحیم، یوم الدین، آمین، السلام علیکم و رحمۃ اللہ، اللھم صل علی محمد، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ وغیرہ ۔ یہ سب الفاظ ایسے ہیں جو ہماری زبان میں رائج ہیں اور ان کا مفہوم معلوم ہے ۔ اگر باقی الفاظ کو بھی ربط جملہ اور معنی کے ساتھ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں زیادہ دشواری نہ ہوگی ہم نے کئی اشخاص ایسے دیکھے ہیں جنہوں نے کوئی صرفی و نحوی تعلیم نہیں حاصل کی لیکن تلاوت قرآن اور معانی پہ غور و فکر سے دلچسپی رکھنے کی وجہ سے ان میں ایسا ملکہ پیدا ہو گیا کہ وہ بلا تکلف آیات کا مطلب سمجھ لیتے ہیں بلکہ بعض نکات عربی دانوں سے بہتر سمجھتے اور خود پیدا کر لیتے ہیں ۔

بہرحال ہماری رائے یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کلمات نماز کے لفظی قرب کو بھی روح و معنی کے ساتھ رکھنا چاہیئے ۔ اور اگر یہ دشوار ہو تو معنویت کو مقدم رکھنے کے باوجود اس کوشش میں لگے رہنا چاہیئے کہ لفظی قرب بھی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو ۔